پرنٹ اور سوشل میڈیا پر تصدیق کی اہمیت

تزئین حسن ○

یہ ستمبر ۲۰۱۳ء کی بات ہے، بھارت کے صوبے اتر پردیش میں ایک لڑکی کو چھیڑنے کے مسئلے پر تین قتل ہو گئے اور بعد ازاں ایک وڈیو کے منظرعام آنے کے بعد ہندو مسلم فسادات پھوٹ پڑے۔ بی بی سی کے مطابق تقریباً ۵۰ افراد ہلاک ہوئے اور ۴۰ ہزار افراد جن میں اکثریت مسلمانوں کی تھی انھیں نقل مکانی کرنا پڑی۔ دراصل ایک وڈیو کے ذریعے افواہ اڑی تھی کہ: ''دو ہندو جاٹ لڑکے مُردہ حالت میں پائے گئے ہیں، جنھیں مسلمانوں نے ہلاک کیا''۔ یہ وڈیو عام (وائرل) ہونے پر جاٹ ہجوم اتنا برافروختہ ہوگیا کہ انھوں نے مسلمانوں کے گھروں میں گھس کر لوگوں کے گلے کاٹے، حالاں کہ اس سے قبل متاثرہ علاقے میں جاٹوں اور مسلمانوں کے درمیان کبھی کوئی جھگڑا سامنے نہ آیا تھا۔ قتل عام اور خون کی بارش تھم گئی تو پولیس نمودار ہوئی اور معلوم ہوا کہ وہ وڈیو دراصل پاکستان کے شہر سیالکوٹ میں ہجوم کے ہاتھوں مارے جانے والے دو بھائیوں کی تھی اور ایک سال پرانی تھی۔ پاکستانی میڈیا کے مطابق ان دو لڑکوں کی ہلاکت بھی غلط فہمی اور افواہوں، یعنی غیر مصدقہ خبروں کی وجہ سے ہوئی تھی، جس نے ہجوم کو اتنا مشتعل کر دیا کہ اس نے قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور خود ہی ان لڑکوں کو سڑک پر سزا دینے کا فیصلہ کرلیا۔

اسی طرح ۲۰۱۶ء میں پنجاب میں بچوں کے اغوا کی خبروں کے اسکینڈل سے اندازہ ہوا کہ ہمارا میڈیا غیر تصدیق شدہ خبروں پر کتنا انحصار کرتا ہے اور سوشل میڈیا کی وجہ سے معاشرہ کتنے دباؤ میں ہے۔ دل چسپ بات یہ ہے کہ سوشل میڈیا پر یہ انتشار پھیلانے والی خبریں بڑے خلوص سے

○ ریسرچ اسکالر، ہارورڈ یونی ورسٹی، میساچیوسٹس، امریکا

'فارورڈ' کی گئیں کہ: 'بچوں کے والدین ہوشیار ہو جائیں'۔ بعد میں غیر جانب دارانہ تحقیقات سے معلوم ہوا کے اصل اعداد و شمار آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں اور جن بچوں کے اغوا کی رپورٹیں درج کروائی گئیں، ان میں سے بھی زیادہ تر بچے خود گھر سے کسی ناراضی یا ڈر کی وجہ سے بھاگے تھے۔ پنجاب کے بعض مقامات پر اغوا کے شبہے میں معصوم افراد کے ساتھ بلاجواز مار کٹائی اور تشدد کے واقعات بھی سامنے آئے۔

ان مثالوں سے کسی کے ذہن میں یہ خیال نہ آئے کہ ایسا صرف غربت زدہ تیسری دنیا میں ہوتا ہے۔ گذشتہ سال امریکی انتخابات کے دوران سوشل میڈیا پر ٹرمپ کے غیر مصدقہ حقائق پر مبنی بیانات مسلسل گردش میں رہے اور بڑے پیمانے پر انھیں آگے شیئر کیا جاتا رہا۔ فیس بک آج دنیا میں نشرواشاعت کا سب سے بڑا پلیٹ فارم بن چکا ہے۔ جہاں کل کا اخبار بین، اب خود صحافی ہے اور خبر بنانے سے لے کر اس کو منٹوں میں نشر کرنے کے تمام وسائل اسے حاصل ہیں۔ ایک طرف پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا پر صحافتی اصولوں کی کھلم کھلا خلاف ورزی ہو رہی ہے، تو دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ آج ہر وہ فرد جسے کمپیوٹر یا موبائل پر انٹرنیٹ کی سہولت میسر ہے بلاگر، فیس بک، ٹویٹر، یوٹیوب، پر خبر بنا رہا ہے۔ اس طرح صحافی اور عام شہری کے درمیان فرق ختم ہو چکا ہے۔ عام شہری جو پہلے خبر یا میڈیا کا صارف تھا، اب ٹیکسٹ، تصویر، وڈیو کی ترسیل کے ذریعے خبر سازی میں براہِ راست حصّہ لے رہا ہے۔ لیکن سوشل میڈیا کی آمد سے جہاں اخبارات اور ٹیلی ویژن چینلوں کی اجارہ داری ختم ہوئی ہے، وہاں خبروں کی غیر ذمہ دارانہ ترسیل کئی گنا بڑھ گئی ہے۔ صحافت کے بنیادی اصول، یعنی تصدیق اور احتساب کو بُری طرح نظرانداز کیا جارہا ہے۔ بیک وقت 'صحافی اور قاری' عموماً خبر کی تصدیق کی ضرورت محسوس نہیں کرتا اور نہ خبروں کے غلط یا صحیح ہونے کے حوالے سے اپنی ذمہ داری محسوس کرتا ہے، اور سب سے بڑھ کر حوالہ دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی کہ پوسٹ کا ماخذ کیا ہے۔ خبر یا پوسٹ کا محض دل چسپ ہونا ہی اسے وائرل کرنے کے لیے سب سے بڑی اہلیت ہے۔

جھوٹی خبریں معاشرے میں ہمیشہ موجود رہی ہیں۔ ان جعلی خبروں کے پیچھے سیاسی اور عسکری مقاصد کے لیے منظم پروپیگنڈا کا ہاتھ بھی ہوسکتا ہے اور بیمار ذہن کے افراد محض سنسنی اور افراتفری پھیلانے کے لیے بھی ان کی ترسیل کر سکتے ہیں۔ سوشل میڈیا پر منافع بھی سنسنی خیز جعلی خبروں،

غلط مگر دل چسپ تاریخی اور من گھڑت مذہبی واقعات کی ترسیل کو پُرکشش بناتا ہے۔ اس میں ضرررساں پہلو یہ ہے کہ انھیں پھیلانے والے نیٹ ورک میں اکثر ان لوگوں کا حصّہ ہوتا ہے جنھیں خود نہیں معلوم ہوتا کہ خبر جھوٹی ہے۔ وہ مذہبی عقیدت یا قومی خدمت کے جذبے سے سرشار ہوتے ہیں۔ اور ایسا اس لیے ہوتا ہے کہ ہمارے دین نے ابلاغ کے جو اصول واضح کیے ہیں اور اس حوالے سے جو عالمی اصول موجود ہیں، ان سے واقفیت عام معاشرے میں تو کیا پڑھے لکھے افراد میں بھی نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس سے معاشرے میں انتشار پھیل رہا ہے۔ نسل پرستی، انتہا پسندی یہاں تک کہ دہشت گردی میں بھی کئی گنا اضافہ ہو رہا ہے۔ یہ موجودہ دور کا ایک ایسا چیلنج ہے جس سے نبردآزما ہونا وقت کی ایک اہم ضرورت بن چکی ہے۔

اس حوالے سے قرآن وسنت کی تعلیمات اور عالمی معیارات کے مطابق عوام کو میڈیا کے محتاط استعمال کی آگاہی دینا ضروری ہے۔ اس مضمون میں ہم نے عالمی معیارات اور قرآنی تعلیمات کی روشنی میں سوشل میڈیا کے لیے کچھ اصول مرتب کرنے کی کوشش کی ہے۔ امید ہے کہ اہلِ علم اس بحث کو آگے بڑھانے میں مددگار رہوں گے۔

● **ذرائع ابلاغ کے لیے ضابطۂ اخلاق:** دل چسپ بات یہ ہے کہ موجودہ مغربی دنیا میں میڈیا کے حوالے سے پچھلی دو ایک صدیوں میں جن اصولوں کو تسلیم کیا گیا، قرآن کریم جسے 'فرقان' بھی کہا گیا (یعنی غلط اور صحیح میں تمیز کرنے والا)، ہمیں چودہ سو سال پہلے بہت سادہ الفاظ میں ان اصولوں سے آگاہ کرتا ہے۔ ہمارے محدثین، فقہا اور علما نے ان اصولوں کی آبیاری کے لیے اپنی زندگیاں لگا دیں۔ لیکن آج مسلمان ہی وہ قوم ہیں، جنھیں ان اصولوں کا تذکرہ بھی گوارا نہیں۔ مروجہ عالمی معیار کے مطابق میڈیا کے تین اہم اصول ہیں: ان میں ایک ہے شفافیت (transparency)، یعنی خبر کے منبع یا سورس کا حوالہ یا سند دینا، دوسرا تصدیق (verification)، اور تیسرا اصول احتساب یا مواخذہ (accountability) کے نظام کی موجودگی۔

آیئے ڈاکٹر شاہد مسعود صاحب کی مثال کے ذریعے صحافت کے ان اہم اصولوں کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ غلطی کسی سے بھی ہوسکتی ہے اور ایک صحافی بھی انسان ہوتا ہے۔ یہاں مثال پیش کر کے انھیں ہدف بنانا مقصود نہیں ہے۔ صرف ایک ایسے عمل کا، جو

ابلاغ کے حوالے سے اجتماعی زندگی پر اثر انداز ہوا یا ہوسکتا تھا کا تنقیدی جائزہ پیش نظر ہے۔ ڈاکٹر شاہد صاحب نے ایک چینل پر زینب قتل کے بارے میں کچھ انکشافات کیے۔ ان کا کہنا تھا کہ: 'ملزم عمران کا ایک غیر ملکی مافیا سے تعلق ہے اور اس کے درجنوں غیر ملکی اکاؤنٹس موجود ہیں اور بااثر سیاسی شخصیات اس کی پشت پناہی کر رہی ہیں۔ ان کا یہ بھی کہنا تھا کہ ثبوت خود ان کے پاس موجود ہیں۔ بعد ازاں معاملہ عدالت تک پہنچنے پر اور بات بہت زیادہ بڑھ جانے پر انھوں نے یہ کہہ کر معافی مانگی کہ وہ ایک باپ کے طور پر جذباتی ہو گئے تھے۔ ایک ذمہ دار صحافی کی حیثیت سے یہ ان کی ذمہ داری تھی کہ ٹی وی پر اتنے بڑے دعوے کرنے سے پہلے وہ اپنے طور پر اس معاملے کی تصدیق کرتے، مثلاً خود اپنے ذرائع استعمال کر کے بنک سے آفیشل ڈیٹا نکلواتے۔

دوسرے، اگر اپنے طور پر تصدیق کے بجاے وہ کسی سورس پر بھروسا کر رہے تھے تو سورس کے نام سے قوم کو مطلع کرتے۔ اگر کسی وجہ سے سورس اپنا نام اور شناخت پبلک کرنا نہیں چاہتا تھا، تو کم از کم اس کی شناخت ظاہر کیے بغیر مثلاً ایک قومی بنک کے وائس پریذیڈنٹ یا اعلیٰ عہدے دار کے ذریعے معلوم ہوا' یا ایک اہم سیاسی شخصیت' جیسے الفاظ استعمال کرتے۔ یہ شفافیت، یعنی ٹرانسپیرنسی کا اصول ہے کہ خبر کا ذریعہ، سورس یا ماخذ سے خبر کے صارف (قاری، سامع یا ناظر) کو مطلع کیا جائے۔ ہم نے دیکھا کہ اس معاملے میں شفافیت کے اس اصول کو بھی پس پشت ڈال دیا گیا۔ اب آخری اصول رہ جاتا ہے احتساب یا مواخذہ۔ یہ اصول ہمیں بہرحال نظر آتا ہے کہ انھوں نے اس خبر کی پوری ذمہ داری شروع سے آخر تک لی (ویڈیو ریکارڈنگ کی موجودگی میں اس کے علاوہ کوئی چارہ بھی نہیں تھا)، اور اسی لیے آخرکار قوم کے سامنے یہ بات آ گئی کہ خبر صحیح نہیں تھی بلکہ ڈاکٹر شاہد صاحب جذبات میں آ کر افواہوں اور اپنی ذاتی راے کو حقیقت سمجھ بیٹھے تھے۔

● **حق و انصاف، یعنی سچ کا احترام:** قرآن چودہ سو سال پہلے حق اور انصاف کی بات کرنے کو متعدد سورتوں میں لازم قرار دیتا ہے۔ یہ ہمارے نزدیک میڈیا کا پہلا اصول ہے۔

سورۂ احزاب آیت ۷۰ میں کہا گیا: ''اے ایمان لانے والو، اللہ سے ڈرو اور ٹھیک بات کیا کرو''۔ اس آفاقی کتاب میں حق بات کرنے کو اتنی اہمیت دی گئی ہے کہ دشمن کی دشمنی میں بھی اشتعال سے پرہیز اور انصاف کی گواہی کا حکم دیا گیا ہے۔ سورۂ مائدہ آیت ۸ میں ارشاد باری تعالیٰ

ہے: ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔ کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو، یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ اللہ سے ڈر کر کام کرتے رہو، جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اُس سے پوری طرح باخبر ہے''۔

سورۂ نساء آیت ۱۳۵ میں انصاف کی گواہی کو ایک دوسرے زاویے سے موضوعِ بحث بنایا گیا ہے: ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، انصاف کے علَم بردار اور خدا واسطے کے گواہ بنو، اگرچہ تمھارے انصاف اور تمھاری گواہی کی زد خود تمھاری اپنی ذات پر یا تمھارے والدین اور رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو۔ فریق معاملہ خواہ مال دار ہو یا غریب، اللہ تم سے زیادہ اُن کا خیر خواہ ہے۔ لہٰذا اپنی خواہش نفس کی پیروی میں عدل سے باز نہ رہو۔ اور اگر تم نے لگی لپٹی بات کہی یا سچائی سے پہلو بچایا تو جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے''۔

بظاہر ان آیات کی شانِ نزول اور سیاق و سباق مختلف محسوس ہوسکتا ہے اور قاری یہ محسوس کرسکتا ہے کہ ابلاغ سے ان قرآنی تعلیمات کا براہِ راست کوئی تعلق نہیں۔ لیکن ہمارا ایمان ہے کہ قرآن کی آیات اور تعلیمات ہر زمانے اور ہر طرح کے حالات میں مشعل راہ ہیں اور ان کے مفاہیم بہت وسیع اور تعلیمات آفاقی ہیں۔ ان آیات کے مفاہیم کا آج کے سیاق و سباق میں اطلاق بھی بہت اہم دینی اور دنیوی ضرورت ہے۔

کولمبیا جرنلزم سکول کے پروفیسر جم کیری کے مطابق، صحافت کی بنیاد دراصل 'سچ کا سفاک احترام' ہے اور تصدیق کے بغیر سچ کی جانچ پڑتال ممکن نہیں۔ تصدیق درحقیقت صحافت کا اصل کام ہے۔ دراصل یہی اسے ادب کی دوسری اصناف اور پروپیگنڈا سے ممیز کرتا ہے اور سوشل میڈیا پر بھی خبر کی ترسیل کا ضابطۂ اخلاق یہی ہونا چاہیے۔

● **بلاتصدیق و تحقیق پوسٹ فارورڈ نہ کرنا:** آیئے دیکھیں کہ دین اسلام ہمیں اس معاملے میں کیا تعلیم دیتا ہے؟ آج سے چودہ سو سال پہلے صحافت کا سب سے اہم بنیادی اصول قرآن کریم میں واضح کر دیا گیا جس پر عمل کی ضرورت وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑھتی چلی جارہی ہے۔ سورۂ حجرات میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر کوئی فاسق

تمھارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کسی گروہ کو نادانستہ نقصان پہنچا بیٹھو اور پھر اپنے کیے پر پشیمان ہو'' (الحجرات ۴۹:۶)۔اور بغیر تحقیق پوسٹس آگے بڑھانے والوں کے لیے مسلم سے اس روایت کا اعادہ ضروری ہے کہ: ''آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ جو بات سنے (اسے بغیر تحقیق کے) آگے بڑھا دے''۔

●**تصدیق کیسے کی جائے** ؟ اب سوال یہ ہے کہ خبر کی جانچ پڑتال کیسے کی جائے؟ خبر یا پوسٹ کی نوعیت اور موضوع کے حوالے سے اس کے طریقے مختلف ہو سکتے ہیں مگر تھوڑا سا غور وفکر کیا جائے تو یہ کام اتنا مشکل نہیں۔ مثلاً اگر خبر میں کوئی تاریخی واقعہ نقل ہے تو دیکھیں خبر بنانے والے نے حوالہ درج کیا ہے کہ وہ واقعہ کس کتاب سے لیا گیا ہے۔ اگر نہیں تو آپ اس پوسٹ کو ایمان افروز اور پسندیدہ ہونے کے باوجود مسترد کر دیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ سنی سنائی بات کو آگے بڑھا دے (مسلم)۔ یاد رکھیں سوشل میڈیا پر پوسٹ کو فارورڈ کرنا سنی سنائی بات کو آگے بڑھانا ہی ہے۔

اگر مصنف نے تاریخ کی کتاب یا تاریخ داں کا حوالہ دیا ہے تو ذرا گوگل سے کسی مستند ویب سائٹ پر یا انسائی کلوپیڈیا پر دیکھ لیں کہ اس نام کی کوئی کتاب یا تاریخ دان موجود تھا یا نہیں؟ اگر تھا تو اس کا تعلق اسی دور سے تھا کہ جس کا خبر میں ذکر کیا گیا ہے؟ یہ وہ اصول ہیں جنھیں ہمارے بزرگوں نے حدیث نبویؐ کا ذخیرہ مرتب کرتے ہوئے اختیار کیا۔ انھوں نے ایک ایک راوی کے حالاتِ زندگی کو بھی مرتب کیا تاکہ یہ فیصلہ کیا جاسکے کہ اس سلسلے میں موجود ایک راوی، دوسرے راوی کی زندگی میں موجود بھی تھا اور اگر تھا تو کیا ان دونوں کی آپس میں ملاقات ممکن ہوئی؟ اور ایک کی عمر اتنی تھی کہ دوسرے سے اپنے ہوش کی عمر میں ملاقات کے دوران حدیث سن سکتا یا اسے یاد رکھ سکتا؟ کیا ایک نے دوسرے کی رہایش کے مقام کا سفر کیا یا نہیں؟ اسی بنیاد پر روایت کے موضوع، ضعیف یا مستند ہونے کے بارے میں فیصلہ کیا گیا اور آج بھی اسے اختیار کیا جاتا ہے۔

کہا جاسکتا ہے کہ حدیث کا معاملہ بہت نازک تھا کہ اس پر ہمارے دین اور ایمان کا دارومدار ہے۔ بجا ارشاد! مگر کسی انسان کی زندگی اور آبرو کی حُرمت کا تقدس تو اسلام کے اس اصول سے ظاہر ہے کہ: ''ایک بے گناہ فرد کا قتل انسانیت کا قتل ہے''۔ جھوٹی خبریں انسان کے اعتبار اور

آبرو کے ساتھ اس کی جان بھی لے سکتی ہیں، جیسا کہ اس تحریر کے شروع میں مثال دی گئی ہے۔ جھوٹی خبروں کا معاملہ انتہائی سنجیدہ غور وفکر کا متقاضی ہے۔

فی الوقت عالمی منظر نامے میں دوسری قوموں کے خلاف بے بنیاد خبروں کے ذریعے افواہیں پھیلانے کا کام یورپ، امریکا، بھارت، پاکستان سمیت تقریباً دنیا کے ہر خطے میں نسل پرستی، اور مذہبی انتہا پسندی کو فروغ دے رہا ہے۔ جرمنی میں سوشل میڈیا پر مہاجرین کے خلاف نفرت پھیلانے پر فیس بک کے خلاف مقدمہ اور سوش میڈیا پر نفرت پھیلانے والوں کے خلاف قانون سازی ہو چکی ہے۔ سویڈن اور کچھ دوسرے یورپی ممالک اپنے عوام کو میڈیا کے حوالے سے آگاہی کو اپنی اہم ترجیحات میں شامل کر رہے ہیں۔

● **اہلِ علم سے تصدیق**: کہا جا سکتا ہے کہ ہر فرد میں تو یہ اہلیت نہیں ہوتی اور نہ ہر فرد کو صحاح ستہ میسر ہے اور نہ تاریخ کی کتابیں۔ درست بات ہے، لیکن ہر فرد پوسٹ کو آگے فارورڈ کرنے کا بھی مکلف نہیں ہوتا۔ اس کا ایک حل اور بھی ہے اور وہ بھی ہمیں چودہ سو سال پہلے سورۂ نساء میں بتا دیا گیا ہے: ''یہ لوگ جہاں کوئی اطمینان بخش یا خوف ناک خبر سن پاتے ہیں اُسے لے کر پھیلا دیتے ہیں، حالاں کہ اگر یہ اُسے رسول اور اپنی جماعت کے ذمہ دار اصحاب تک پہنچائیں تو وہ ایسے لوگوں کے علم میں آجائے جو اِن کے درمیان اس بات کی صلاحیت رکھتے ہیں کہ اس سے صحیح نتیجہ اخذ کرسکیں''۔ (النساء ۴:۸۳)

ہم کم از کم یہ تو کر سکتے ہیں کہ ہمارے درمیان جو اس شعبے کا علم رکھنے والے ہیں، ان سے اس خبر کی تصدیق کروالیں۔ خبروں کی نوعیت مختلف ہوسکتی ہے، مگر یہ سادہ سا اصول جھوٹی پوسٹوں کی ترسیل کو روکنے میں بہت معاون ثابت ہوسکتا ہے۔ ہمارے اردگرد ایسے مستند عالم حضرات کی کمی نہیں ہے، جو دینی معلومات کے ماخذین اور کتب کا علم رکھتے ہوں۔ یہی معاملہ دنیوی علوم کا بھی ہے۔ آج سوشل میڈیا کے دور میں رابطہ منٹوں میں کیا جا سکتا ہے اور پوسٹ کی تصدیق ان حضرات سے کی جا سکتی ہے۔ میں نے ہمیشہ اہل علم حضرات کو تصدیق کے معاملے میں ہمدرد اور معاون پایا ہے۔ ہمارے نزدیک دینی اور علمی ادارے افواہوں اور غلط پوسٹس کے سدباب کے لیے ہیلپ لائن بھی قائم کر سکتے ہیں۔ جہاں موجود ماہرین سے خبر یا پوسٹ کی جانچ کروائی جاسکے۔

● **ایک سے زیادہ ذرائع سے تصدیق:** خبر کی اہمیت کے لحاظ سے کبھی کبھی ایک پروفیشنل صحافی کے لیے ضروری ہوجاتا ہے کہ خبر کی تصدیق مختلف اور مستند ذرائع سے کی جائے۔ ایک سے زیادہ چشم دید گواہوں سے بیانات لیے جائیں۔ خبر سے متعلق اگر کوئی دستاویزات موجود ہیں، تو ان کا مطالعہ بھی ضروری ہے۔ ورنہ کسی ماہر سے اس بارے میں راے لی جائے۔ ایسے کسی بھی معاملے میں، جہاں صحافی کی اپنی علمی استعداد کم ہو ماہرین سے رجوع کرنا اور ان سے مواد کی تصدیق اور ان کی راے لینا ضروری ہے۔ اگر ثانوی مآخذ کی ضرورت ہے مثلاً اخباری بیانات، کتابیں، وڈیوز، تو اس حوالے سے یہ بات ذہن میں رہے کہ کون سا ماخذ کتنا مستند ہے۔ ابتدائی طور پر ذہن کو کھلا رکھ کر مختلف ذرائع سے معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں مگر لکھتے ہوئے صرف مستند ذرائع کا استعمال کرنا چاہیے۔

●**قاری کو خبر کے ذریعے سے باخبر کرنا:** اگر کہیں غیر مستند ذرائع کا استعمال ناگزیر ہے تو بھی اور نہیں ہے تو بھی قاری کو اس سے باخبر کرنا ضروری ہے۔ یہ دراصل شفافیت کے زمرے میں آتا ہے، جو میڈیا کا دوسرا اصول ہے۔ شفافیت سے مراد خبر کو حاصل کرنے کا طریقہ قاری پر واضح کر دیا جائے، تاکہ قاری خود یہ فیصلہ کرسکے کہ خبر قابل اعتماد ہے یا نہیں۔ مثلاً یہ خبر بی بی سی یا فلاں ہندستانی یا اسرائیلی اخبار کی ہے۔

●**اپنی راے کو حقیقت سمجھنے سے پرہیز:** اگر راے کا اظہار مقصود ہو تو یہ بات واضح کی جائے کہ یہ راقم کی راے ہے۔ راے کی حمایت میں جو حقائق بیان ہوں، ان کا ماخذ بھی بیان کر دیا جائے۔ اس بات میں فرق بھی بہت ضروری ہے کہ آپ کیا جانتے ہیں اور آپ کا گمان کیا ہے؟ بسا اوقات ہمیں اپنی معلومات کے ذرائع پر یا اپنی راے پر اتنا اعتماد ہوتا ہے کہ ہم اسے حقیقت سمجھ بیٹھتے ہیں۔ بار بار ڈاکٹر شاہد صاحب کی مثال پیش کرنا مناسب محسوس نہیں ہوتا، مگر بظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کے ساتھ ایسا ہی ہوا۔ اور ایسا ہم میں سے ہر ایک کے ساتھ ہوسکتا ہے، اگر گمان کرنے سے پرہیز نہ کیا جائے کہ جس کی قرآن میں ممانعت آئی ہے۔ مسلم معاشروں کو اس گمان پرستی کے بُرے اثرات سے بچانے کے لیے سورۂ حجرات میں تصدیق کے بغیر محض Assumption یا گمان سے پرہیز کا حکم دیا گیا ہے: ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، بہت گمان

کرنے سے پرہیز کرو کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں''۔(الحجرات ۴۹:۱۲)

انسانی نفسیات پر تبصرہ کرتے ہوئے سورۂ یونس کی آیت ۳۶ میں یہ بات واضح کی گئی کہ دنیا کے لوگوں کی اکثریت محض قیاس اور گمان پر چل رہی ہے: ''حقیقت یہ ہے کہ اِن میں سے اکثر لوگ محض قیاس وگمان کے پیچھے چلے جارہے ہیں، حالاں کہ گمان حق کی ضرورت کو کچھ بھی پُورا نہیں کرتا۔ جو کچھ یہ کررہے ہیں اللہ اُس کو خوب جانتا ہے''۔

● **حقائق کے بغیر راے دینے سے پرہیز**: ہمارے ہاں یہ عام بات ہے کہ مستند ذرائع سے علم کے بغیر لوگ رائی کا پہاڑ بنادیتے ہیں۔ مثلاً تواتر سے یہ بات دُہرائی جاتی ہے کہ دہشت گردی اور انتہا پسندی کا منبع مدارس ہیں، جب کہ راقمہ کی تحقیق کے مطابق اس حوالے سے کوئی مستند اعداد و شمار موجود نہیں۔ اعداد و شمار، تحقیق اور پرائمری رپورٹنگ کے بغیر یہ بیان ایک افواہ یا پروپیگنڈے سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔ آیئے دیکھتے ہیں قرآن کریم اس معاملے میں کیا رہنمائی دیتا ہے:

بغیر علم کے بحث کرنے والوں کے لیے سورۂ آل عمران آیت ۶۶ میں کہا گیا: ''تم لوگ جن چیزوں کا علم رکھتے ہو اُن میں تو خوب بحثیں کر چکے، اب اُن معاملات میں کیوں بحث کرنے چلے ہو جن کا تمھارے پاس کچھ بھی علم نہیں۔ اللہ جانتا ہے، تم نہیں جانتے''۔ سورہ بنی اسرائیل آیت ۳۶ میں کہا گیا: ''کسی ایسی چیز کے پیچھے نہ لگو، جس کا تمھیں علم نہ ہو۔ یقیناً آنکھ، کان اور دل سب ہی کی باز پرس ہونی ہے''۔

● **افواہیں پھیلانا قابل تعزیر جرم قرار دیا جائے**: اس وقت جرمنی میں fake news یا افواہیں پھیلانے والوں کے خلاف قانون سازی ہوچکی ہے اور اب یہ قابل تعزیر جرم ہے۔ بہت سے یورپی ممالک اس سمت میں کام کررہے ہیں۔ قرآن میں چودہ سو سال پہلے ان کے خلاف کارروائی کی بات کی گئی۔

سورۂ احزاب آیت ۶۰ کے مطابق: ''اور وہ لوگ جن کے دلوں میں خرابی ہے، اور وہ جو مدینہ میں ہیجان انگیز افواہیں پھیلانے والے ہیں، اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو ہم ان کے خلاف کارروائی کرنے کے لیے تمھیں اُٹھا کھڑا کریں گے، پھر وہ اس شہر میں مشکل ہی سے تمھارے ساتھ رہ سکیں گے''۔

● **حق کو جان بوجھ کر چھپانا:** بعض معاملات میں مصلحت کی بنیاد پر اور جان بوجھ کر حق کو چھپانا بھی معاشروں کے لیے خرابی کا باعث بنتا ہے۔ سورۂ بقرہ آیت ۴۲ میں بنی اسرائیل کو مخاطب کر کے کہا گیا: ''باطل کا رنگ چڑھا کر حق کو مشتبہ نہ بناؤ اور نہ جانتے بوجھتے حق کو چھپانے کی کوشش کرو''۔ یہی مضمون سورۂ آل عمران آیت ۷۱ میں دہرایا گیا: ''اے اہل کتاب! کیوں حق کو باطل کا رنگ چڑھا کر مشتبہ بناتے ہو؟ کیوں جانتے بوجھتے حق کو چھپاتے ہو؟''۔

یہاں یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ قومی سلامتی، یعنی نیشنل سیکورٹی کے بعض معاملات میں رازداری لازم ہے۔ سورۂ ممتحنہ اور بعض دوسری سورتوں میں اس حوالے سے بھی بات کی گئی ہے۔ اس پر آیندہ کسی مضمون میں بحث کریں گے۔

ستم ظریفی یہ ہے کہ چودہ سو سال پہلے یہ اصول دنیا کو متعارف کروانے والی کتاب مسلمانوں پر ہی نازل ہوئی اور ہمارے آبا نے اپنی پوری پوری زندگیاں تصدیق میں صرف کر دیں اور شفافیت کے اصولوں کو رواج دیا، مگر آج ہم ہی وہ قوم ہیں جو ان اصولوں کا ذکر سننا بھی پسند نہیں کرتے۔ اقبال سچ ہی کہہ گئے: 'گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی'۔ اور کتابوں کے ساتھ ساتھ ان اخلاقی اصولوں کو 'جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سی پارا'۔

خبروں کو بغیر تصدیق کے پھیلانا ہمیشہ سے انسانی معاشرے کے لیے نقصان دہ رہا ہے، لیکن اب ایک عام آدمی اور صحافی کے فرق مٹ جانے کی صورت میں یہ اور زیادہ ضرر رساں ہو گیا ہے، کیوں کہ اب خبروں کی ترسیل تو آسان ہو گئی ہے مگر صحافت کے اس نئے دور میں تصدیق، شفافیت اور مواخذہ ناپید ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک عام شہری خبر بنا تو رہا ہے مگر اس کو بنانے اور پھیلانے کے اخلاقی اصولوں سے بے بہرہ ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اسکولوں کا نصاب اور میڈیا دونوں عالمی معیارات اور دینی تعلیمات کی روشنی میں میڈیا کے اصولوں کی آگاہی دینے والے ہوں۔